يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

رسالہ
انوار الصوفیہ

جلد ۱ بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ نمبر ۷

فہرست مضامین

مارچ ۔ اپریل ۱۹۰۵ء

انجمن خدام الصوفیہ کیطرف سے رفاہ عام سٹیم پریس لاہور میں چھپکر شائع ہوا

انوار الصوفیہ رسائل پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری
نے انجمن خدام الصوفیہ کے زیر اہتمام 1904 کو شروع کروایا تھا

رسالہ انوار الصوفیہ کی 1904 کی ابتدائی 12 جلدیں مہیا
کرنے پر میں پروفیسر فاروق منشاد صاحب کا مشکور ہوں

تاجدار بہاولپور
پروفیسر محمد منشاد علی جماعتی رحمۃ اللہ علیہ
خلیفہ مجاز علی پور سیداں شریف

نوٹ: یہ رسائل بابا جی سرکار پروفیسر منشاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود پروفیسر فاروق صاحب کو دیے تھے، اور ان تمام رسائل کی سکیننگ کا تمام کام پروفیسر فاروق صاحب نے کیا ہے،

جن کی لسٹ مندرجہ بالا ہے (بختیار حسین جماعتی)

پروفیسر فاروق منشاد جماعتی

1	1904 Agust	5	1905 February	9	1905 June
2	1904 September	6	1905 March	10	1905 July
3	1904 October	7	1905 April	11	1905 Agust
4	1905 January	8	1905 May		

مقاصد و اغراض انجمن خدام الصوفیہ

(۱) اتحاد جمیع سلاسل صوفیہ مثلاً نقشبندیہ چشتیہ۔ قادریہ۔ سہروردیہ وغیرہ۔

۲ اشاعتِ علم تصوّف۔

۳ فراہمی کتب تصوّف

۴ اجرائے رسالہ انوار الصوفیہ جسمیں صوفیائے کرام کا تذکرہ اخلاق و آداب وغیرہ درج ہوں۔

نوٹ

ہر ایک قسم کی خط و کتابت و ترسیل زر و منی آرڈر و تبادلہ اخبارات و رسالہ جات بنام حافظ ظفر علی ایڈیٹر دفتر رسالہ انوار الصوفیہ لوہاری منڈی لاہور ہونی چاہئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد

بخودش کس شناخت نتوانست — ذات ہم بدو تواں دانست

عقل حقش بتوخت نیک بتاخت — عجز در راہِ او شناخت شناخت

کرمش گفت مر مرا بشناس — ورنہ کے شناسدے بعقل و حواس

بدلیلے حواس کے شاید — کوز بر پُشت قبہ کے بائید

عقل رہبر ولیک تا درِ او — فضل اُو مرترا برد بر اُو

بدلیلِ عقل رہ نبری — خیرہ چوں دیگراں مکُن توخری

فضل اُو در طریق رہبر ماست — صنع او سوئے او دلیل گو...

اے شدہ از شناخت خُود عاجز — کے شناسی خدا...

چوں تو در علم خُود زبوں باشی — عارفِ کردگا...

چوں ندانی تو سر ساختنش — چوں تو...

ہست در وصفِ اُو بوقتِ دلیل — نطق ت...

غایت عقل در رہش حیرت

وہمہا قاصر است زاوصافش

عقل وجاں را مُراد...

فعل او خارج ا...

انبیا زیر...

ذات

نعت

تم پر میں لاکھ جان سے قربان یارسول
برآئیں میرے دل کے بھی ارمان یارسول

کیوں دل پہ میں فدا نہ کروں جان یارسول
رہتے ہیں اس میں آپ کے ارمان یارسول

رحمت دکھائے حشر میں وہ شان یارسول
شرمندہ ہو کے ہوں میں پشیمان یارسول

کشتہ ہوں روئے پاک کا نکلوں جو قبر سے
جاری مری زباں پہ ہو قرآن یارسول

جس دم کہ دم بدن سے نکلنے لگے میرا
اس دم نہ ہوں حواس پریشان یارسول

میں گھر گیا ہوں فوج معاصی میں المدد
کوئی نہیں نجات کا سامان یارسول

محشر میں دست بستہ کھڑا ہوگا حضور سے
جی بھر کے نکلیں آج تو ارمان یارسول

ملوائیے مدینہ میں جائے یہ تفرقہ
اب ہند میں بہت ہوں پریشان یارسول

... ہو تنگی گور و حساب حشر
یہ منزلیں کڑی ہوں سب آسان یارسول

کچھ ... نہیں مطلوب ہی مجھے
لیجاؤں اپنے ساتھ میں ایمان یارسول

... نہیں اصحاب پاک کی
لائے تھے جب سے آپ پر ایمان یارسول

... ل کو چھوڑ کر
ماں باپ سب ہیں آپ پہ قربان یارسول

... ہو
روکیں نہ مجھ کو آپ کے دربان یارسول

سرکار میزبان ہیں میں مہمان یارسول

... مرا نہ ہو ویران یارسول

... کر رہا ہوں گریباں یارسول

... تو آپ کی ہے شان یارسول

... پشیمان یارسول

... نا یارسول

بنازم بہ بزمِ محبّت کہ آنجا
گدائے بشاہے مقابل نشیند

انجمن خدّام الصّوفیہ

کا

دُوسرا سالانہ جلسہ

بتاریخ ۱۴ و ۱۵ محرّم الحرام کو مسجد شاہی لاہور میں

بسرپرستی جناب قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین سراج السالکین معلی القاب حضرت مولوی۔ عالم۔ حاجی حافظ سیّد جماعت علیشاہ صاحب نقشبندی مجددی علیپوری مدّ اللہ تعالیٰ ظلالہ ونوالہ وافضالہ علیٰ رؤس المسترشدین منعقد ہُوا۔ اور جس مبارک دِن کے واسطے آنکھیں ترس گئی تھیں وُہ دِن بھی آگیا۔ جلسہ کا اشتہار ہوتے ہی جان میں جان آگئی۔ اگرچہ اشتہار ۱۶ مارچ کو ہُوا۔ اور اجلاس کی تاریخ ۲۱ و ۲۲ قرار پائی۔ اور اس صُورت میں احباب کو مفصلات سے آکر جلسہ میں شامل ہونے کے لئے بہت کم فرصت تھی اور خاصکر ملازموں کے واسطے۔ لیکن جن جن احباب کو اطلاع ہوگئی اُنہوں نے بڑی ہمّت سے جلسہ کی شمولیت کا فخر حاصل کیا۔

جلسہ کی روئداد اور واعظین کے مضامین اگرچہ قلم کی زبانی ہیں ہدیۂ احباب کرسکتا ہُوں۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ وُہ وجدانی کیفیتیں اور مجلس کی تاثیریں الفاظ میں اپنے دوستوں کے پیش نہیں کرسکتا ہ

ڈاک میں بھیجدیں آہوں کی ہوائیں کیونکر	دردِ دل تجھ کو سنائیں تو سنائیں کیونکر

جلسہ میں نہ تو کوئی کرسی تھی اور نہ میز۔ واعظین کے واسطے ممبر اور حاضرین کے لئے فرش محمدی۔ غرض ایک سادگی کا عالم تھا جس پر ہزاروں بناؤ قربان تھے۔ رحمت الٰہی تھی کہ سروں پر سایہ فگن تھی۔ اگرچہ حاضرین کا مجمع سال گذشتہ سے بدرجہا زیادہ تھا مگر

لب خموش و دل پُر از آواز ہا	بر زباں قفل است و در دل راز ہا

کا قاعدہ یہاں بھی جاری تھا۔ معاملہ لب و زبان سے گذر کر دِل و دیدہ پر آ رہا تھا ہر ایک طالب دیدار کی آنکھیں محبوبان الٰہی کے جمال پر لگی ہوئی تھیں۔ اور دلوں سے بار بار یہ صدائیں آ رہی تھیں ؎

بھوکا کوئی ہجوم میں مہمان نہ جائے	اتنا لحاظ دعوتِ دیدار میں رہے

جلسہ کیا تھا۔ دعوتِ دیدار تھی۔ جس میں عاشقان صادق کو جی کھول کر اپنی حسرتیں نکالنے کا پورا موقعہ ہاتھ آیا۔ جو آ گیا۔ ساقی نے دو جام بادۂ الفت کے پلا کر مدہوش کر دیا۔ خیر میں اس قصہ کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ اور جلسہ کی کارروائی مختصر عرض کرتا ہوں۔

علاوہ انگریزی خواں اصحاب کے علمائے کرام و صوفیائے عظام کی ایک بڑی مقدس جماعت زینت بخش جلسہ تھی۔ جنمیں سے بعض کے اسمائے گرامی تبرکاً درج ذیل ہیں:۔

عالیجناب حضرت حافظ حاجی سید جماعت علیشاہ صاحب نقشبندی مجددی علیپوری دامت برکاتہم

حضرت جماعت علی شاہ صاحب نقشبندی علیپوری دامت برکاتہم

حضرت میر لطف اللہ صاحب۔ مکان شریف

شمس العلماء جناب مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی

جناب مولوی غلام احمد صاحب مدرس اول مدرسہ نعمانیہ لاہور

جناب مولوی غلام اللہ صاحب قصوری

جناب مولوی محمد یار صاحب امام مسجد طلائی لاہور

جناب مولوی اصغر علی صاحب روحی

جناب مولوی محمد شفیق صاحب امام مسجد شاہی لاہور

جناب مولوی نور احمد صاحب امرتسری

جناب مولوی محمد حسین صاحب بی اے کلرک آفیکو ٹنٹ [illegible]

جناب مولوی حید علی صاحب نقشبندی امرتسری
جناب مولوی نبی بخش صاحب حلوائی نقشبندی لاہور
جناب سائیں نبی بخش صاحب نقشبندی امرتسری
جناب مولوی محمد دین صاحب نقشبندی قصوری
جناب مولوی محمد ایوب صاحب نقشبندی جموں
جناب مولوی محمد عظیم صاحب خوشنویس متوطن گکھڑ
خاکسار ظفر علی ایڈیٹر رسالہ انوار الصوفیہ

جناب مولوی محمد علی صاحب چشتی مدرس اسلامیہ سکول لاہور
جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب " "
جناب مولوی محمد عظیم صاحب " "
جناب مولوی علم دین صاحب " "
جناب مولوی محمد ذاکر صاحب " "
جناب مولوی کریم بخش صاحب رام کے ضلع سیالکوٹ
جناب مُلا محمد بخش صاحب لاہوری

علاوہ ازیں بہت سے اصحاب جموں۔ سیالکوٹ۔ بیکانیر۔ قصور۔ فرید کوٹ۔ کوٹ کپورہ۔ امرتسر پسرور وغیرہ وغیرہ مقامات سے تشریف فرما تھے۔ جن کے نام بخوف طوالت درج نہیں ہو سکے جلسہ کا وقت ۱۰ بجے صبح سے نماز مغرب تک تھا۔ پہلے روز بوجہ انتظاری احباب مضافات کے کارروائی بجائے ۱۰ کے ۱۲ بجے شروع ہوئی۔ جلسے کے افتتاح پر جناب مولوی محمد عظیم صاحب خوشنویس نے قرآن کریم نہایت مؤثر اور درد انگیز لہجہ میں پڑھا۔ ان کے بعد میاں محمد حسین صاحب سیالکوٹی نے نعت شریف نہایت پُرجوش انداز میں پڑھی۔ اسکے بعد اخی مکرم جناب میر حبیب اللہ صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس اعظم امرتسری نے اپنا صوفیانہ مضمون پڑھا جس کا لطف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتا۔ ان کے بعد جناب شیخ محمد ابراہیم صاحب وکیل بیکانیر نے اپنی نعتیہ نظم نہایت عمدگی سے پڑھی۔ اس کے بعد جناب مولوی محمد حسین صاحب بی اے قصوری نے محبت پر ایک وسیع لیکچر دیا۔ بعدہٗ مولوی محمد ذاکر صاحب بگوی نے تقریر کی اور شام کے قریب جلسہ برخاست ہوا۔

دوسرے دن جناب قاری عبد العزیز صاحب و دیگر حفاظ نے مصری لہجہ میں قرآن شریف پڑھ کر جلسہ کا افتتاح کیا۔ اور جناب حافظ انور علی صاحب رہتکی کا مضمون "قانون تصوف حصہ دوم" پڑھا گیا۔ جو کسی رسالہ میں ہدیۂ احباب ہو گا۔ اس کے بعد شیخ محمد ابراہیم صاحب وکیل بیکانیر و منشی تاج الدین صاحب تاج لاہوری نے نظمیں پڑھیں۔ بعد ازاں مولوی محمد عظیم صاحب خوشنویس نے مختصر وعظ کے بعد عام فہم آسان الفاظ میں ایک مفصل اور دلچسپ مضمون "علماء اور صلحاء" پڑھا۔ ان کے بعد مولوی حید علی صاحب امرتسری نے صوفیانہ وعظ فرمایا۔ آخیر میں جناب مولانا مولوی نور احمد صاحب امرتسری نے "تخت النفس" کے متعلق ایک نہایت مؤثر تقریر فرمائی۔ اور بعد نماز

علماء اور صلحاء

یہ وہ مضمون ہے۔ جو انجمن خدام الصوفیہ کے دوسرے دن کے اجلاس میں مولوی محمد عظیم صاحب خوشنویس متوطن گکھڑ مقیم لاہور نے ایسی ادا سے پڑھا کہ حضرت اقدس شاہ صاحب علی پوری ایسے محظوظ ہوئے کہ اُٹھ کر مولوی صاحب کو گلے سے لگالیا اور ایک تسبیح بیش قیمت بطور انعام بخشی۔ مولوی صاحب خلیق اور صالح جوان ہونے کے علاوہ صاحب تصانیف بھی ہیں "ذکر حبیب" انہیں کی تصنیف ہے۔ اور عالیجناب قبلۂ عالم شاہ صاحب علیپوری کے سلسلۂ خدام میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

اِنسانی زِندگی کا سب سے پہلا ضروری اور لازمی فرض یہ ہے کہ وُہ علم حاصل کرے۔ بلکہ علم ہی سے انسان اشرف المخلوقات ہونے کا مستحق ہے۔ چونکہ علم کی فضیلت کا ہر ایک فردِ بشر قائل ہے اسلئے اِسکے متعلق کچھ زیادہ گفتگو کی ضرورت ہی نہیں۔ ہمارے سید و مولے حضرت حبیب اللہ علیہ وآلہ الصلوٰۃ اللہ نے علم کا حاصل کرنا یہاں تک تاکیداً فرمایا۔ کہ اطلبوا العلم ولو بالصین یعنے اگر تم کو ملک چین میں علم میسّر ہو تو وہاں سے بھی حاصل کرو۔ چین کے لفظ سے مُلک چین میں علم کی کثرت مراد نہیں بلکہ مُلکِ عرب شریف سے مسافتِ بعیدہ پر واقع ہونیکے سبب سے ارشاد فرمایا کہ اگر اتنی دُور و دراز مسافت طے کرنے کے بعد تمہیں علم حاصل ہو سکے تو بھی علم کا حاصل کرنا ضروری و لازمی بلکہ فرض سمجھو۔ قافلہ سالارِ عشق حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے ؎

رَضِینَا قِسمَۃَ الجَبَّارِ فِینَا	لَنَا عِلمٌ وَ لِلجُہَّالِ مَالٌ
فَاِنَّ المَالَ یَفنیٰ عَنقَرِیب	وَاِنَّ العِلمَ بَاقٍ لَا یَزَال

یعنی ہم اللہ پاک کی تقسیم پر بہت خوش ہیں کہ ہم کو علم عطا کیا اور جاہلوں کو مال دیا کیونکہ مال تھوڑے عرصہ میں فناہ ہو جاتا ہے۔ اور علم ہمیشہ تک بے زوال باقی رہتا ہے

۵ علم داد ند بادریں و بقارُون زر و سیم		شد یکے فوق سماک و دگرے تحت سمک

بظاہر علم کی قسمیں تو بہت ہیں مگر یہاں مختصراً اُس علم کی نسبت کچھ عرض کرنا ہے جو کتاب پاک قرآن کریم و حدیث رسول رحمۃ للعالمین علیہ الف الف تحیۃ و التسلیم کے رُو سے ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔ سو جہاں تک نظر دوڑائی جاتی ہے اور صحیح تدبّر و تفکر سے کام لیکر غور کیا جاتا ہے تو اس کی دو قسمیں پائی جاتی ہیں۔ ایک علم لسانی دُوسری علم قلبی۔ یعنے ایک علم کا تعلق زبان سے ہے اور دُوسرے کا دل سے۔ جس کو علم ظاہری و باطنی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور ان کے عالم علما اور صلحاء کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔

علم لسانی یعنی علم ظاہری کی تعریف تو ظاہر و بیّن ہے یعنی شریعت حقّہ کے احکام۔ اوامر و نواہی وغیرہ وغیرہ۔ رہا علم قلبی یا باطنی جس کے عالم صلحاء یا صوفیا ہیں۔ اِس کا طریق علم اور عمل دونوں سے پُورا ہوتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ اور حاصل یہ ہے کہ نفس کے عقبات قطع ہو جاتے ہیں۔ اور وُہ اخلاق مذمومہ اور صفاتِ خبیثہ سے منزّہ اور مُبرّا ہو کر اخلاق محمودہ اور صفات حمیدہ سے آراستہ و پیراستہ ہو جاتا ہے۔ اور دِل غیر اللہ سے خالی ہو کر اللہ تعالےٰ کے ذِکر کے انوار سے متجلّی ہو جاتا ہے۔

یہ مسئلہ گو اہم ہے لیکن اس کے مُتعلق علماء کرام و صوفیاء عظام نے ہزارہا پہلوؤں سے عقلی و نقلی بحثیں کی ہیں اور اہل عالم پر اس مسئلہ کو کما حقّہٗ بالکل صاف و آسان کر دیا ہے خصوصاً رسالہ منیریہ میں اعلیٰحضرت ؎

شہی کریم جماعت علی کہ ابر کفش
بذوق دیدۂ عاشق کند گہر باری

یعنی حضرت قبلہ و کعبہ شاہ صاحب علیپوری ادام اللہ فیوضہم و برکاتہم نے اس مسئلہ کو ایسی عمدگی اور متانت سے بیان فرمایا ہے کہ اب اُس کے مقابلہ میں آفتاب

کے سامنے چراغ لاتا ہے۔ لیکن ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"
خاکسار نے اس مسئلہ کو اس پہلو سے لیا ہے جو ہدیۂ احباب کیا جاتا ہے۔
اللہ جلشانہٗ نے اپنی مقدس کتاب میں حضرت سلطان الانبیاء والاولیاء احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کو خاتم النبیین بنا کر اپنے دین پاک کو جو ابتدائے آفرینش دنیا سے اہل عالم کو انبیاء کے ذریعہ سے سکھایا تھا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کا پاک فرمان نازل فرما کر تکمیل کو پہنچا دیا۔ اور آپ کی ذاتِ پاک پر سلسلۂ نبوت کو ختم کر دیا۔ اور بیشک حضور پاک ہی اس لائق تھے کہ جو دین الٰہی کی پورے طور پر تکمیل کریں۔ اور اُن کے تابعین اللہ پاک نے اس درجہ کے بنائے جو تبلیغ احکام الٰہی میں انبیاء کا کام دیں۔ کیونکہ دنیا بڑھنے والی تھی اور علم و فضل کا چرچا گھر گھر ہونے والا تھا۔ دس بیس پچاس سَو ہزار انبیاء سے کیا کام چل سکتا تھا۔

اور یہ مسئلہ زیادہ طوالت کا خواہاں ہی نہیں کہ انسان طبعی طور پر تربیت کا محتاج ہے اور ہر زمانہ میں اُسے اُستاد کی ضرورت رہتی ہے۔ اور سُنّت الٰہی قدیم سے یہی جاری ہے کہ اللہ پاک اپنے دین کی حفاظت کے لئے انبیاء مبعوث فرماتا رہا ہے۔ جیسے حضرت سیدنا مسیح علےٰ نبینا و علیہ السلام کے زمانہ کے قبل روحانی مصلح کا زمانہ بعثت جوں جوں بعید ہوتا گیا لوگوں کے دلوں سے اُس کی تعلیم کا اثر دُور ہوتا گیا۔ حتےٰ کہ پھر ایک اَور مصلح کی ضرورت ہوئی اور خداوند پاک نے اپنی بے مثل حکمت سے حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام کو اس منصب یعنے اصلاح قوم پر مامور فرمایا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ کے بعد پھر بدستور سابقہ لوگوں کے دلوں سے تعلیم عیسوی کا اثر زائل ہو گیا۔ اور گمراہی کی کالی آندھی نے تمام عالم کو تیرہ و تاریک بنا دیا۔ حتےٰ کہ تمام آسمانی کتابیں بھی تحریف و ردوبدل سے نہ بچ سکیں اور لوگوں نے دین الٰہی میں ہزاروں منگھڑت مسائل شامل کر لئے۔ تو اللہ پاک نے حضور صلعم کی ذات پاک کو قرآن کریم جیسی نور و شفا کتاب مبین دیکر خاتم النبیین بنا کر سلسلۂ نبوت کو ختم کر دیا اور حضور فداہ ابی و امی نے بوجہ اپنے رحمۃ للعالمین ہونے کے کل روئے

زمین کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا اور احمر اور اسود کو برابر اپنے قلزم فیضان سے سیراب فرمایا۔ آپ کی تعلیم پاک کا نُور مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پہنچا۔ اور حضُور کی مساعی جمیلہ یہاں تک مشکور ہوئیں کہ یہ مژدہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا آپ نے کانوں سے سُن لیا۔

پس جب حضرت رسالتمآب خاتم النّبیّین ہوئے اور آپ کے بعد کسی نبی یا رسُول کو مبعُوث ہونا نہ تھا۔ کیونکہ آپ نے فرمایا لانبی بعدی۔ اور بیشک آپ کی تعلیم پاک ایسی مکمل تھی کہ اُس کی نظیر کوئی رُوحانی مُصلح آغازِ آفرینش سے اِسوقت تک نہیں دکھا سکا۔ اور جب یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ احتیاج تعلیم انسان کی سرشت میں ہے تو آپ کے بعد سلسلہ تعلیم کا قائم رہتا تو کس طرح؟ پس اُس علیم و حکیم خداوند تقدّس وتبارک وتعالیٰ نے آپ کی اُمت مرحُومہ میں **علماء** اور **صلحاء** کا سلسلہ جاری کر دیا۔ کیونکہ ہزاروں نبیوں سے ایسا مکمل شدہ دین سنبھالنا مشکل تھا۔ اور چُونکہ نبوّت دو امروں سے مرکب تھی يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ یعنی **ایک کہہ دینا اور دُوسرا کرا دینا**۔ پس یہ دونوں جماعتیں اپنے اپنے زمانہ کی مذہبی ضرورتوں کو پُورا کرتی ہیں۔ اُن میں سے ایک جماعت کا منصب **شرعی آداب سکھانا** اور دُوسری کا **رُوحانی اصلاح کرنا** ہے۔ اور یہ عمل زمانۂ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے شروع ہے چنانچہ سلاسل سلوک کا آغاز حضرت صدیق اکبر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے ہے۔ گو خیر القرون میں ان کی شہرت نہیں تھی۔

مَیں یہ نہیں کہتا کہ طریقت شریعت سے جُدا ہے مگر اس میں شک نہیں اور ہرگز نہیں کہ محض شرعی آداب کی حفاظت سے وُہ صفائی قلب حاصل نہیں ہوتی جو رُوحانی مصلح کی مقناطیسی اثر سے ہوتی ہے۔ بلکہ یہی شریعت اولیاء اللہ کی خدمتوں میں اَور رنگ پیدا کرتی ہے۔ یعنے دِل جب علاقہ جسمی اور علاقہ عِلمی یا اللہ پاک کے سوائے جتنے علاقے ہیں سب سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور نفس کی بُرائیاں دُور ہو کر نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے اور اللہ پاک کی بندگی میں

بندگی میں خلوص پیدا ہو جاتا ہے تو یہی شریعت اُس کے حق میں مغز ہو جاتی ہے اور اُس کی نماز خدا تعالےٰ کے نزدیک اور علاقہ بہم پہنچاتی ہے۔ یعنے دو رکعت اُس کی اوروں کی لاکھ رکعت سے بہتر ہو جاتی ہیں۔ اور یہی حال اُس کے صوم و صدقہ وغیرہ کا ہے۔

علماء اور صلحاء میں صرف یہی فرق ہے کہ علماء کا علم کتابوں اور درس و تدریس سے حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن صلحاء کا علم ذوق اور حال سے اور اپنی صفات پلٹنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ کوئی معمہ یا پہیلی نہیں ذرا سی غور و فکر کرنے سے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی سمجھ لو کہ جیسے کوئی شخص صرف صحت اور سیر شکم ہونے کی تعریف سیکھ لے اور اُن کے اسباب اور شرائط پر بخوبی حاوی ہو جاوے لیکن یہ خوب یاد رہے کہ اس سے وہ صحیح اور سیر شکم ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ ان حالتوں میں بُعد عظیم ہے۔

علےٰ ہذا ایک شخص نے نشہ کی تعریف سیکھ لی کہ وہ ایک حالت ہے جو معدہ سے دماغ کیطرف بخارات کے صعود کرنے اور چشمۂ فکر وغیرہ پر مستولی ہونے سے طاری ہوتی ہے۔ اور ایک شخص سکر اور نشہ میں چور چور ہے۔ لیکن وہ سکر کی تعریف اور اُس کے اسباب کو نہیں جانتا۔ ان دونوں میں بُعد عظیم نہیں تو کیا ہے؟

پیارے دوستو! طبیب سکر اور نشہ کی تعریف اور اُس کے ارکان بخوبی جانتا ہے مگر اس سے اُسے نشہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور نیز طبیب مرض کی حالت میں صحت کی تعریف اور اُس کے اسباب اور ادویات بخوبی جانتا ہے۔ حالانکہ وہ صحت سے بے بہرہ ہے کسی بے ادب رند کا قول ہے۔

ہائے کمبخت تُو نے پی ہی نہیں	لُطف مے تجھ سے کیا کہیں واعظ

پیارے ناظرین! اب تو سمجھ لو اور اسی پر قیاس کر لو کہ جو کوئی زُہد کی حقیقت اور شرائط اور اسباب اُس کے دریافت کرلے یا کتابوں سے پڑھ لے وہ زاہد نہیں ہوتا اور اُس کے نفس کو فی الواقع دُنیا سے بے رغبتی حاصل نہیں ہوتی۔ مشاہدہ اور تجربہ صاف بتاتا ہے کہ نِرا علم انسان کو طامع اور لالچی نفس پرور ہونے یا

یا دیگر اخلاق ذمیمہ یا طرح طرح کے گناہوں کے ارتکاب سے نہیں روک سکتا۔ کہ نرا عالم صاحب قال ہے صاحب حال نہیں۔ اور صلحاء صاحب حال ہیں نہ صرف صاحب قال۔ یہی وجہ ہے کہ جو تصوف کا حصہ علم سے تعلق رکھتا ہے وہ تصوف کی کتابوں کے پڑھنے سے کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر جو حصہ ذوق اور حال سے تعلق رکھتا ہے وہ پڑھنے اور سننے سے حاصل نہیں ہوتا۔ وہ مال وجاہ سے منہ پھیرنے اور شور و غل و علائق سے متنفر ہونے اور صلحاء (صوفیاء) کی خدمت بابرکت میں حاضر رہنے کے سوا حاصل نہیں ہوتا۔

کیا جناب رسالتمآب روحی فداہ کے زمانہ خیر القرون میں کوئی اور قرآن تھا؟ اور اب کوئی اور ہے؟ نہیں! ہرگز نہیں!! تو پھر اس زمانہ اور اس زمانہ کے لوگوں میں اس قدر بیّن فرق کی کیا وجہ ہے کہ حضور پاک نے فرمایا کہ "اگر تم سب اُحد کے پہاڑ کی مانند سونا خدائے پاک کی راہ میں خرچ کرو گے تو وہ ایک سیر یا آدھ سیر جَو کے برابر نہ ہوگا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خدا تعالیٰ کی راہ میں دئے ہیں"۔ گو یہ مرتبے اُن کے قوت ایمان اور اخلاص کے سبب سے تھے۔ مگر میرے ناقص خیال میں اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ اُن لوگوں کو اُس فخر کائنات علیہ الف الف تحیات کی صحبت مبارک حاصل تھی اور اس زمانہ میں یہ نعمت میسر نہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اب بھی اُس رسول پاک حبیب اللہ علیہ صلوات اللہ کی صحبت مبارک حاصل ہونی ممکن ہے۔ آپ کے ظاہری اور باطنی نور کی تلاش علماء اور صلحاء سے کرنی چاہئے۔ اور اُس نور ظاہری و باطنی سے اپنے سینے کو روشن کرنا چاہئے۔ اور یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ فیض اور فضل صحابہ تک ہی محدود اور مخصوص تھا۔ نہیں! بلکہ اب بھی اگر کوئی خلوص سے اللہ پاک کی طرف آوے تو وہ نور ضرور بالضرور علماء اور صلحاء کی خدمت سے مل سکتا ہے۔ اور اُن التفاتات اور فضلوں سے حصہ لے سکتا ہے۔ اور ضرور لیتا ہے۔

قرآن پاک میں ولی متقی کو فرمایا ہے۔ اور حدیث مبارک میں آیا ہے کہ اولیاء اللہ کی علامت یہ ہے کہ اُن کے دیکھنے سے خدائے پاک یاد آئے یعنی اُن کی

صُحبت سے محبّت دُنیا سرد ہو جائے اور خُدائے پاک کی محبّت زیادہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جو متّقی نہیں وُہ ولی نہیں ہوتا۔ اور یہ ساری صُحبت ہی کی برکت ہے اولیاءاللہ کی صحبت میں کہا گیا ہے ؎

با ہر کہ نشستی و نشُد جمع دلت	وز تو نرمید صُحبتِ آب و گلت
زنہار ز صحبتش گریزاں میباش	ورنہ نکند روح عزیزاں بحلت

القصہ سب انوار و برکات نبوی فداہ رُوحی موجُود ہیں مگر مزکّی اور مصلح کے بغیر وُہ تزکیہ اور تعلیم نہیں ہوتی جو مزکّی اپنی قوّت اور اثر سے کرتا ہے اور اُن انعامات کا مورد بنانے میں اپنی دُعا۔ عقد ہمّت۔ توجّہ تام سے کام لیتا ہے۔ جو اس کے لئے اکسیر اعظم ہے۔

ہاں! البتّہ یہ ضروری اور لازمی ہے کہ رُوحانی مُصلح (مُرشد) شریعتِ حقّہ کے آداب سے پُورے طور پر با خبر ہو۔ کہ ؎

بے علم نتواں خُدارا شناخت

بیشک و شبہ اس علم سے مُراد وُہ علم دین ہے جس سے معرفتِ الٰہی حاصل ہو اگر نرا علم کوئی چیز ہوتا؟ معرفت صحیحہ کی کوئی ضرورت نہ ہوتی؟ اور اُس قوّت اور کشش کی حاجت نہ ہوتی جو انسان پر اپنا عمل کر کے اس کے دِل کو صاف کرنے میں معاون اور مددگار ٹھیرتی ہے جو رُوحانی مصلح (مُرشد) کی تاثیر صُحبت اور پاک انفاس کی برکت سے ملتی ہے۔ جس کی طرف کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کہہ کر مُولئے کریم نے توجّہ دلائی ہے تو پھر میں پُوچھتا ہُوں کہ جس حالت میں محض عقلی معلُومات خُداشناسی کے لئے کافی تھے تو ارسطو۔ افلاطُون وغیرہ حکیمانِ یونان اولوالعزم نبیوں میں کیوں شُمار نہ کئے گئے ؎

گر بہ استدلال کارِ دیں بُدے	فخرِ رازی رازدارِ دیں بُدے

پس اگر کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ پر ہی غور کیا جاتا تو بڑی صفائی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی کہ سچّی توجّہ کے لئے ایک کامل الایمان مزکّی (مُرشد) کی ضرورت ہے۔ جو اپنی قُوّتِ قُدسی کے اثر سے دِلوں کے زنگ کو دُور کرے۔ بدُون

مرشد کامل کے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ سمجھ میں نہ آسکے بلکہ وسیع نظارۂ قدرت میں اس کے نظائر موجود ہیں۔

دیکھو ایک درخت کی ٹہنی جب تک درخت کے ساتھ پیوند رکھتی ہے وہ سر سبز ہوتی ہے حالانکہ اس کو جو پانی کی غذائیت ملتی ہے وہ بہت ہی کم ہوتی ہے۔ اب اگر اس کو دیکھ کر ایک نادان اس کو کاٹ کر ایک گڑھے میں ڈال دے کہ لے اب تو جس قدر پانی چاہے جذب کر اور اپنے دل میں خوش ہو کہ یہ بہت جلد بار آور ہو جائے گی تو اس کی حماقت اور نادانی میں کیا شک رہجائیگا۔ کیونکہ وہ ڈالی بہت جلد خشک ہو کر گل سڑ جائے گی اور اس کو بتا دیگی کہ میں اس درخت سے الگ رہکر سر سبز نہیں رہ سکتی۔

اسی طرح یہ نظارۂ قدرت عام اور وسیع ہے اس سے صاف سبق ملتا ہے کہ ایک روحانی مصلح (مرشد) کی ضرورت ہے۔ جس کے ساتھ پیوند لگا کر انسان اپنے تزکیہ کا حصہ لے سکتا ہے۔ ورنہ مزکی یا مرشد سے الگ رہکر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ وہ اپنی اصلاح اور تزکیہ کرے گا یہ غلط اور محض غلط ہے۔ بلکہ ؎

ایں خیال است و محال است و جنوں

پیارے احباب! سنت اللہ ہی اسی نہج پر جاری ہے کہ انسان کو علم علماء کی صحبت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں تمام دنیا کے پیشے۔ دستکاریں سوائے اس فن کے استاد سے سیکھنے کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتیں۔ جیسے آہنگری یا نجاری بغیر آہنگر یا نجار کی شاگردی کے نہیں آتی۔ اسی پر تمام پیشوں اور کاموں کو قیاس کر لو۔

اس سنت اللہ کے جاری ہونے میں بھید یہ ہے کہ انسان کی فلاسفی یہی ہے کہ وہ اپنے کمالات کو بدون اپنے ابنائے جنس کی مشارکت اور معاونت کے حاصل نہیں کر سکتا۔ بخلاف اور حیوانات کے کہ ان کے کمالات پیدائشی ہیں اور کسبی نہایت کمتر ہیں۔ چنانچہ تیرنا حیوانات میں پیدائشی کمال ہے۔ اور انسان کو بغیر سیکھے نہیں آتا۔

یہی حکمت تھی کہ خدائے پاک نے انبیاء کو بھی انہیں میں سے مبعوث فرمانیکی

سُنّت ٹھہرائی۔ پس یہ یقینی بات ہے کہ بغیر مُرشد کامل کی صُحبت میں رہنے کے انسان باطنی انوار سے واقف نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی کامل الایمان کہلاسکتا ہے۔

پس یہ کہنا بالکل دُرست اور بجا ہے کہ دِین کے دل اور دِماغ علماء اور صلحاءؔ ہیں۔ فرق ان میں یہی ہے کہ اوّل الذکر کہتے ہیں مگر کرا نہیں سکتے۔ اور تزکیہ نفس نہیں کرسکتے۔ اور دُوسرے جو کہتے ہیں وُہ کرا دیتے ہیں اور تزکیہ نفس کردیتے ہیں اُن کے قلبِ صافیہ سے جو کچھ نکلتا ہے وُہ دُوسروں پر مؤثر ہوتا ہے۔ اِن میں جذب اور اثر کی قوّت ہوتی ہے جو دُنیا دار علماء میں نہیں ہوتی اور نہیں ہوسکتی اور نہیں ہُوئی۔ پس اِس سے اُس نافہم کے سوال کا جواب بھی بخُوبی حل ہوسکتا ہے جو کہتا ہے کہ مُرشد یعنی رُوحانی مصلح کی ضرورت نہیں۔

ہاں! اتنی بات ذرا غور طلب ضرور ہے کہ رُوحانی مُصلح کوئی مستند آدمی ہو جس کو مسلسل اپنے پیرانِ عظام سے اجازت حاصل ہو اور علم شریعت و طریقت سے پُوری آگاہی ہو۔ اِسی لئے صلحاء (صوفیاء) کا بھی فرض ہے کہ وُہ طالب میں اتباعِ شریعت کی پہلے پُوری استعداد پیدا کرائیں اور اُس کی تمام ظاہری حرکات و سکنات کو مؤدبانہ موافق حکمِ شرعِ شریف بنائیں تاکہ ظاہرًا کوئی نقص شرعی اُس کی طرف عائد نہ ہوسکے۔ تاکہ وُہ مجاہدہ۔ ریاضت اور محنتِ شاقہ کا عادی بنکر منزلِ عشق کے طے کرنے میں ثابت ہمّت نکلے ؎

پہلے عادت کریں ہم جور و ستم سہنے کی	ورنہ پچھتائیں گے ہم مائلِ خُوباں ہوکر

بعدہٗ اُس کو علم باطن کی تعلیم دیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے یارِ طریقت جنکو ابتداء سے نماز سے ہی سروکار نہیں ہوتا اور وضُو کے لئے کپڑے اُتارنا بارِگران معلوم ہوتا ہے وُہ بیعت کرکے بھی بمشکل نماز ہی تک پہنچنا اپنے لئے ولایت کا آخری درجہ سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ سلُوک کوئی بچّوں کا کھیل نہیں اس میں سخت مشقتوں اور مصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے ؎

آفتیں جھیلیں گے بدنام جہاں ہونگے	ہمکو معلُوم نہ تھا مائلِ خُوباں ہوکر

سخت گردش میں ہوں حیران پریشاں ہوکر — مجھ کو حاصل یہ ہُوا مائلِ خُوباں ہوکر
دردِ دل سوزِ جگر جوشِ قلق دیدۂ تر — یہ مِنے ہمراہ لئے مائلِ خُوباں ہوکر

دیکھو جولاہے کا شاگرد ایک مُدت میں تاگوں میں سانٹھ لگانی سیکھتا ہے بُننا ابھی دُور پڑا ہے۔ سلوک کوئی سہل امر نہیں کہ بغیر ریاضت اور محنتِ شاقہ و مجاہدات کے ہر ایک آدمی خدا رسیدہ ہو جائے ؎

بازئ عشق بجز اندوہ و غم و رنج نہیں — کھیل لے ہر کوئی جس کو یہ وہ شطرنج نہیں

جویارانِ طریقت شکایت کرتے ہیں کہ ہمنے فلاں بزرگ کی بیعت سے کیا حاصل کیا۔ اُن کا یہ قول اُن کی اپنی ہی کم ہمتی کا ثبوت دیتا ہے۔ یہ بالکل سچی اور یقینی بات ہے کہ انسان اگر صلحاء کے ارشاد کے مطابق عمل کرتا رہے تو وہ ضرور بالضرور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہ ہماری اپنی ہی غلطی اور قصورِ فہم ہے ؎

ہر چہ ہست از قامتِ ناساز و بد اندامِ ماست — ورنہ تشریفِ تو بر بالای کس کوتاہ نیست

افسوس ہم "بدنام کنندۂ نکو نامے چند" لوگوں نے عوام کو صوفیاء کرام پر حملہ کرنے کی جرأت دِلائی ہے۔ یہ اُس احسان کا صلہ ہے کہ اُن پاک وجُودوں نے اپنے کمال رحم و شفقت سے ہم نالائقوں کو اپنی غلامی میں لیا۔ تاکہ ہماری نجات کی صُورت ہو۔ ہم نے اُن کی کونسی خِدمت کی ہے کہ ہم اُلٹا اُنپر احسان جتاتے ہیں۔ اور اگر ہم نے بقدر استعداد کی بھی تو بھی ؎

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمیکنم — منت شناس زو کہ بخدمت بداشتت

جہاں تک مجھے اپنے یارانِ طریقت سے گفتگو کا موقع ملا یا ملتا ہے تو یہی شکایات سُننے میں آتی ہے کہ ہم ابھی تک ولی کامل نہیں بنے اور جب پُوچھا کہ بھائی اپنے پیرومُرشد کی اتباع اور اُس کے ارشاد کی بخُوبی تعمیل کرتے ہو۔ نمازِ تہجد پڑھا کرتے ہو۔ مُراقبہ بدستور بجا لاتے۔ ذکر و فکر میں مصروف رہا کرتے ہو تو اِس

کا جواب خاموشی سے دیا جاتا ہے۔
وائے برحالِ ما کہ ہم ایسے کمزور ہیں کہ اپنے روحانی مصلحوں کے ارشاد کی
تعمیل کے بغیر ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ اگر شکایت نہ ہو
اور گستاخی معاف ہو تو میرے جیسے احباب اپنے دل میں سوچیں اور اپنی کمزوری
کا اعتراف کریں۔ کہ نماز روزہ و عبادات و ریاضات سے ہم جی چرائیں۔
مراقبہ سے کوسوں بھاگیں۔ منہیات شرعیہ کی طرف دوڑ کر آئیں۔ کھانے پینے میں
کوئی احتیاط نہ رکھیں۔ پیر کی صحبت میں لوٹا پھوٹا کلیجہ لے کر آئیں۔ حتیٰ کہ
میں نے بعض احباب کو جو نقشبندیہ خاندان کے مرید کہلاتے ہیں حقہ نوشی کرتے
اور محفلِ رقص و سرود میں جاتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ پھر بھی وہ اگر
اپنے حال پر خیال نہ کریں تو خدا حافظ ۵

ایسے افعال پہ تم فضلِ خدا چاہتے ہو	تمہیں سوچو تو کیا کرتے ہو کیا چاہتے ہو

حکیم یا طبیب اگر مریض کو نسخہ بتائے اور اُس کے متعلق چند ہدائتیں بتائے اور مضر
اشیاء سے پرہیز بتائے تو اُس مریض کو کبھی صحت کا اُمیدوار نہیں ہونا چاہیے
جو نہ تو نسخہ ہی پیئے اور نہ ہدائیتوں پر عمل کرے اور پرہیز کا نام تک نہ جانے۔
اور باوجود مریض ہونے کے اپنے آپ کو تندرست اور صحیح سالم جانے۔ ہم ایسے
کمزور اور پست ہمتوں کو بزرگوں کا نام بدنام کرنا اچھا نہیں ۵

اُن پہ الزام بیوفائی کا	ڈھنگ اچھا ہے آشنائی کا

ان سب شکایتوں کا علاج میرے خیال میں یہی آتا ہے کہ اوّل علماء کی
صحبت سے انسان کو تمام امور شرعیہ کا واقف ہونا چاہیئے تاکہ امور شرعیہ
اُس کے لئے آسان ہو جائیں۔ بعدہٗ صلحاء کی صحبت سے مشرف ہونا چاہیئے
اور اگر کوئی ان دونوں علموں کا جامع مِل جائے تو سبحان اللہ اُس کی خدمت
میں کمرِ ہمت باندھ کر ساعی و کوشاں ہونا چاہیئے۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو حسن
عقیدت و نیک ارادت سے سرِ تسلیم ہی جھکائے رکھنا چاہیئے۔ اور شکایت

سے زُبانِ بدلگام کو روک رکھنا چاہیئے ؎

حافظ اینجا بہ ادب باش کہ سلطان و ملک	ہمہ در بندگیٔ حضرتِ درویشان است

خُدا کی شان! زمانے کی ہوا نے عجب پلٹا کھایا ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ سوائے صلحاء کرام کے علماء اہلِ ظاہر بھی علاوہ فرائض و سُنن کے اکثر نوافل مثل تہجد و اشراق و اوّابین و چاشت وغیرہ کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ مزید براں ذِکر دوام کی از حد رغبت دلاتے تھے۔ اور ایک یہ وقت کہ عبادت کے دُشمن ظاہراً بلباس علماء، نوافل و سنن و دیگر ریاضات، و عبادات کو شِرک و بدعت کہتے ہیں۔ کیا خوب! ؎

دِل عبادت سے چُرانا اور جنّت کی طلب	کام چور اِس کام پر کس مُنہ سے اُجرت کی طلب

خُداوندِ تعالیٰ کی مقبولیت کا جنکو دعوےٰ ہوتا ہے وہ ریاضت کرنے والے اور سُستی سے ہزاروں کوس بھاگنے والے۔ نفسِ امارہ سے خم ٹھوک کر لڑنے والے۔ احکام الٰہی کو بجان و دل بجالانے والے۔ عبادت میں جو تکلیف ہے اُس کو عینِ راحت سمجھنے والے۔ عشق و محبتِ حقیقی کی بدولت دھوپ کو عین سایہ پانے والے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے نزدیک دھوپ اور سایہ قہر اور مہر یکساں ہے ؎

عاشقم بر لُطف و بر قہرش بجد	اے عجب من عاشقِ این ہر دو ضد

سلوک کوئی دُودھ کی کھیر نہیں کہ آسانی سے حلق میں اُتر جائے۔ بلکہ اِس سے بڑھکر عالمِ دُنیا میں کوئی کٹھن کام ہی نہیں۔ حضرت منصور حلّاج رحمۃ اللہ علیہ کو جب سُولی پر چڑھانے لگے تو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ بھی سامنے کھڑے تھے۔ اُنہوں نے اُس وقت حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ سے پُوچھا کہ "مَا التصوّف یا حلّاج؟" یعنی یا حلّاج تصوّف کیا ہے؟ تو آپ نے جواب دِیا کہ "کمترین این است کہ مے بینید" یعنی یہ سب سے بہت کم درجہ ہے جو تُم دیکھ رہے ہو۔ حضرت شبلیؒ نے پھر پُوچھا کہ "بلند تر کدام است" یعنی سب سے بڑا درجہ کونسا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ "شمارا بداں راہ نیست" یعنی تُم کو وہاں تک رسائی ہی نہیں۔

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے "صوفی جسمے است مردہ و دلے است آسودہ و جانے است سوختہ" یعنے صوفی مردہ جسم کا نام ہے جس کا دل (تمام ہموم و غموم و علائق دنیا و ما فیہا سے) آسودہ ہو اور جان جلی ہوئی (عشق الٰہی سے) ہو۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جب تک جیتے رہے رات دن زار زار رویا کرتے تھے۔ اور اکثر آنکھوں سے بجائے آنسوؤں کے خون ٹپکتا تھا۔ جب بیمار ہوئے ہر چند علاج کیا مفید نہ ہوا۔ بلکہ کوئی حکیم اُن کے مرض سے آگاہ نہ ہوا کہ مرض کیا ہے۔ بلکہ

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اس مرض کی نسبت کسی کا قول ہے ؎

از سرِ بالینِ من برخیز اے نادان طبیب	دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست
جا ویدا گھر آپنے توں کی جانے سار (ہندی ترجمہ)	عاشق جینگے کن کئے بن دیکھے دیدار
نہ کر ہور علاج طبیبا مینوں فرق نہیں اک تلدا (پنجابی)	دارو پیک لگے جل جائے بھڑک اُٹھے دُکھ دل دا

الغرض ایک طبیب نصرانی نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قارورہ دیکھ کر متحیر ہو کر کہا کہ "میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں میں ایسے کامل ہوتے ہیں کہ اُن کا جگر خوفِ الٰہی سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہ گیا ہو"

سچ ہے جو لوگ دل ہی دل میں خوفِ الٰہی سے تھراتے ہیں وہ پانی ہو کر بہ جاتے ہیں تو وصالِ یار کے امتحان کی ڈگری لیتے ہیں ؎

تا نشانہ صفت سر نہی در تہ ارہ	ہر گز بسر زلف نگارے نرسی

علماء کو ہمیشہ یہ فخر ہوتا ہے کہ علم کو عبادت پر فضیلت ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ لیکن بندے کو بغیر عبادت کے بھی چارہ نہیں ہے کیونکہ علم بے عمل سے کچھ حاصل نہیں ؎

علم چندانکہ بیشتر خوانی	چوں عمل در تو نیست نادانی

یہ خوب یاد رہے کہ علم درخت کی مثال ہے۔ اور عبادت اُس کا پھل ہے۔ اگرچہ درخت کو بسبب اصل ہونے کے پھل پر شرف ہوتا ہے۔ لیکن نفع پھل ہی سے ہوتا ہے حقیقت میں جہاں تک غور سے کام لیا جائیگا۔ ان دونوں علموں کی ضرورت محسوس ہو گی۔ اور علم ظاہر تو کتابوں سے علماء کی خدمت سے حاصل ہو جائیگا۔ لیکن علم باطن صلحاء کی خدمت کے بغیر حاصل ہونا محال ہے۔

مَیں نے بہت سے نادانوں کو یہ بھی کہتے سُنا ہے کہ رُوحانی اُستاد (مُرشد) کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ دلائل سے نتائج تک پہنچ جاتے ہیں تو مُرشد کی کوئی ضرورت نہیں۔ مَیں کہتا ہوں اگر اُنہیں مُرشد کی ضرورت نہیں تو اتنا بتائیں کہ کتاب کی موجُودگی میں معلّم کی کیا ضرورت ہوتی ہے؟ یہ لوگ سخت غلطی پر ہیں سُنّت اللہ ہی اسی نہج پر جاری ہے کہ جب تک دینی اُمُور کے مفاد سے متمتع کرنے والا کوئی نہ ہو انسان اپنے غایت مقصُود تک نہیں پہنچ سکتا۔ غرض ہر حال میں رُوحانی مُصلح یا مُزکّی کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ اگر انسان کتابوں کے انبار پڑھ لیوے اُس میں عمل کی طاقت کما حقّہٗ پیدا ہونی محال ہے۔ جب تک کوئی ایسی رُوح انسان پر ایسا پرتوہ نہ ڈالے جو انسان کو مُزکّی بنا دے اُس وقت تک انسان ان تعلیمات سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔

اور یہ اُن لوگوں کی کم فہمی ہے جو پیری مُریدی میں علم کا ہونا کچھ ضروری نہیں سمجھتے۔ بلکہ یُوں بھی کہدیتے ہیں کہ علم درویشی کو مضر ہے۔ اسواسطے کہ شریعت کچھ اَور ہے اَور طریقت کچھ اَور۔ معاذ اللہ یہ ان کی کج فہمی ہے۔ ان کی صُحبت بھی انسان کو مُضر ہے۔ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی کتابیں جہاں تک مجھے دیکھنے کا اتفاق ہُوا ہے اُن میں صاف طور سے لکھا ہے کہ علم شریعت تصوّف اور طریقت کی شرط ہے۔ اِس کے متعلق حوالہ جات دینے کی ضرورت اس مضمُون میں کچھ چنداں ضروری نہیں۔ کسی اَور مضمون میں اگر موقعہ ملا تو وضاحت لکھا جاویگا صرف دو ایک اقوال بزرگان دین پر اکتفا کی جاتی ہے۔

حضرت شیخ الشیوخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے "کل طریقۃ ردتہ الشریعۃ فھو زندقۃ" یعنے جس طریقہ کو شریعت رد کرے وہ ٹھیٹ کفر ہے۔

اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ "جس نے قرآن کریم یاد نہیں کیا اور حدیث کو لکھا نہیں اُس کی سلوک میں ہرگز ہرگز اتباع نہ کی جائے۔ کیونکہ ہمارا علم (تصوّف) کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ کے ساتھ مُقیّد ہے۔

ایسا ہی حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تصوّف تین چیزوں کا نام ہے۔ ایک تو یہ کہ نورِ معرفت اُس کا نور ورع اُس کے کو نہ بجھادے۔ دُوسری علم باطن میں ایسی گفتگو نہ کرے کہ ظاہر کتاب الٰہی اور سُنّت نبوی میں منقص ہو اور تیسری یہ کہ اُس کی کرامت اللہ پاک کی محارم کی حُرمت کا باعث نہ ہو"

علےٰ ہٰذا تمام صوفیائے متقدّمین و متاخّرین کے اقوال ان کے معاون ہیں۔ پس جو لوگ ایسے ہیں جو شریعت حقّہ کے مخالف ہیں اُن کی صُحبت ایمان کے لئے سم قاتل ہے۔ اہل ایمان کو ایسی صُحبتوں سے پرہیز کرنی چاہیئے ؎

جو اپنی پگڑی کو پہلے اُتار بیٹھے ہیں	عمامۂ شیخ یہ چھوڑینگے کیا بھلا وہ رِند

اور جو لوگ سرے سے بیعت و اشغال و اذکار صلحاء کرام کو ہی بے اصل مانتے ہیں اور کھلے لفظوں میں کہدیتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ وغیرہم کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے۔ اسلئے بدعت سیئہ ہیں۔ معاذ اللہ ایسے لوگوں کو واضح رہے کہ جس امر کے واسطے اولیائے طریقت نے یہ اشغال مقرر فرمائے ہیں۔ وہ امر رسالت کے زمانہ خیر القرون سے ابتک برابر چلا آیا ہے۔ البتہ یہ بات ہے کہ اُس کی تحصیل کے مختلف طریق ہیں۔ فی الواقع مشائخین طریقت مجتہدین شریعت کی مثال ہیں۔ مجتہدین شریعت نے استنباط شریعت کے اصُول ٹھہرائے اور اولیائے طریقت نے باطن شریعت کی تحصیل کے (جس کو طریقت کہتے ہیں) قواعد مقرر فرمائے۔

ہاں! البتہ یہ بات ضرور ہے کہ حضرات صحابہ رضؓ کو بسبب صفائی طبیعت اور حضُور خورشید رسالت کے تحصیل نسبت میں ایسے اشغال کی ضرورت محسوس ہوئی متاخرین کے خلاف کہ اُن کو بسبب بُعد زمان رسالت کے البتہ ایسے اشغال کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جیسے صحابہ کرام کو قرآن شریف اور حدیث مبارک کے فہم میں قواعد

صرف اور نحو کے دریافت کی حاجت نہ تھی۔
اِس کی مثال یوُں سمجھ لو کہ جب تک آفتاب کی روشنی رہتی ہے۔ انسان اُس روشنی میں لکھ پڑھ سکتا ہے۔ اور جب وہ غروب ہو جاتا ہے تو روشنی کی حاجت پڑتی ہے۔ کیونکہ اندھیرے میں لکھا پڑھا جا ہی نہیں سکتا۔ پس صحابہ کرام کے وقت میں آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا۔ اُس وقت اشغال کی ضرورت حضوُر مع اللہ کے لئے نہ تھی۔ آپ کی تاثیر قُدسی ایک نظر میں خاک کو زر بنا دیتی تھی۔ آپ کی صحبت مُبارک وہ اکسیر تھی جس نے صحابہ کو اُس عروجِ کمال پر پہنچایا جس کی نظیر صفحۂ ہستی پر نہ ہوئی اور نہ ہو گی۔ لیکن جب وہ آفتابِ رسالت اپنے مرکزِ اصلی پر چلا گیا تو اب روشنی حاصل کرنے کے لئے اِن رُوحانی اشغال کی ضرورت محسُوس ہوئی تو حضرات صوفیا کرام نے آپ سے سچا پیوند کرنے اور باطنی تعلیم دینے کے لئے سُنّت بیعت جاری فرمائی۔ اور آپ کی ذات چشمۂ فیضِ خُداوندی سے فیض باطنی حاصل کر کے عوام کے سینوں میں ڈالنا شروع کر دیا۔ پس صُوفیہ کرام اِس طریقہ انیقہ کے جاری کرنے سے قابل ثواب بے حساب ہیں۔ کیونکہ وُہ اس حدیث مرفوع کے مصداق ہوئے ہیں کہ جو سُنّت مُردہ کو جلاوے تو اُس کو اجر ملیگا اور اُن لوگوں کو بھی اجر ملیگا جو اِس سُنّت پر چلیں گے اگر کوئی نافہم اِس راز کو نہ سمجھے تو اُس کی قسمت !۔

الحاصل کامل مطلق فے الواقع وُہی آدمی ہے جو دونوں علموں یعنی علم ظاہر اور علم باطن کا جامع ہو۔ اور یہ کوئی صرف زبانی جمع خرچ نہیں۔ بلکہ امام الشریعۃ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اِس پر فتوٰے ہے کہ "من تصوّف ولم یتفقہ فقد تزندق ومن تفقہ ولم یتصوّف فقد تفسّق ومن جمع بینھما فقد تحقّق"۔ یعنے جو صُوفی ہُوا اور فقیہ نہ بنا وہ زندیق ہے۔ اور جو کوئی فقیہ بنا اور تصوّف نہ سیکھا وہ بلاشبہ زاہد خشک (پھیکا پھیا کا مُلّا) ہے۔ اور جس دونوں (فقہ اور تصوّف) کو سیکھا وہ بلاشبہ مُحقّق ہے۔

علےٰ ہذا سارے علمائے شریعت اور طریقت کا اتفاق ہے کہ وہ طریقہ انیقہ جو نجات کا دارومدار ہے وہ مذہب اہل سنّت والجماعۃ ہے۔ پس ہر مومن

اہل ایمان کو عموماً اور یاران طریقت کو خصوصاً آج کل کے نئے نئے اختراعی مذاہب والوں کے پاس نہ بیٹھنا چاہئیے۔ والا نقصان سے خالی نہ ہوگا۔
بقول خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ؎

نخست موعظۂ پیر میکدہ ایں بود	کہ از معاشر ناجنس احتراز کنید

خدا کرے کہ کوئی صاحب نصیب میرے اس کہنے سے فائدہ اُٹھائے ؎

من آنچہ شرط بلاغ است باتو میگویم	تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔ فقط

خاکسار عبد الاثیم محمد عظیم متوطن گکھڑ مقیم لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"یہ مضمون عالی جناب صاحبزادہ عالی خاندان حضرت شاہ صاحب نیراہی کا عطیہ ہے۔ جن کے خاندان میں قبلہ و کعبہ حضرت حافظ حاجی سید جماعت علیشاہ صاحب جیسے قطب وقت کو فخر بیعت حاصل ہے۔ خوشا نصیب اُس پیر خانہ کے کہ جس کے دامن دولت میں ایسا یگانۂ روزگار تربیت پاکر فیض گستر اہل عالم ہوا۔ صاحبزادہ صاحب موصوف علاوہ صوفی صافی ہونے کے علم تصوف میں وسیع معلومات رکھتے ہیں۔ اور آج کل جموں میں رونق افروز ہیں" ایڈیٹر

معذرت

میں اپنے آپ کو ہرگز اس قابل نہیں دیکھتا کہ میں رسالہ انوار الصوفیہ میں کوئی مضمون دوں۔ ایسے رسالہ جات میں مضمون دینا خاص لوگوں کا کام ہے مگر چونکہ حافظ حاجی سید جماعت علیشاہ صاحب کی طرف سے (جو ہمارے خاندان کے مخلص ہونے کے علاوہ میرے زیادہ تر محب ہیں) ایما ہوتے رہے کہ میں کچھ لکھوں۔ اُن کی فرمائش پر مجھے حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر زیر خیال آیا

؎ بیا جامی رہا کن شرمساری	ز صاف و دُرد پیش آر آنچہ داری

اور فکر کیا کہ اگر مخلص محبان کا ایسا ہی تقاضائے محبت ہے تو انکار نہ ہونا چاہئیے۔ اور چونکہ دنیا میں ایک سلسلہ کی ایجاد کی بنیاد اکثر محبت پر ہی نظر آتی ہے۔ اور مجھ سے بھی اس مضمون کے لئے احباب کی کشش ہو رہی ہے

تو بہتر ہے کہ میں اپنے مضمون کا عنوان آئینِ محبت سے رکھوں کیونکہ یہ سلسلہ ازل سے ابد تک قائم رہنے والا بے زوال نظر آتا ہے۔ اُمید ہے کہ صاحبانِ فضل وکمال میرے مضمون کے عیوب کو کریمانہ نظر سے دیکھیں گے۔ واذا مروا باللغو مروا کراما۔

آئینِ مُحبّت

محبت کے رود گر اُستخوانم طوطیا گردد
کہ از سائیدنِ صندل کجا نقصان رسد بو را

قال اللہ تبارک وتعالیٰ ومن الناس من یتخذ من دون اللہ اندادا یحبونہم کحب اللہ والذین آمنوا اشد حبا للہ۔

وقال اللہ تعالیٰ زین للناس حب الشہوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذہب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ذالک متاع الحیوٰۃ الدنیا واللہ عندہ حسن المآب۔

وقال اللہ تعالیٰ بلیٰ من اوفیٰ بعہدہ واتقیٰ فان اللہ یحب المتقین۔

اسیطرح کی اور بہت سی آیات شریف قرآن مجید میں پائی جاتی ہیں جن میں محبت کا ذکر ہے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں بہت جملے محبت کے لفظ کے نظر آتے ہیں۔ الحب للہ والبغض للہ اور ورجل تحابا فی اللہ وتبغضا فی اللہ۔ دیگر مضامین کی کتابوں میں بھی اکثر محبت کے متعلق اذکار دیکھے جاتے ہیں۔

علاوہ اس کے جب کچھ عرصہ کے لئے ہم عالمِ ایجاد پر نظرِ غور دوڑاتے ہیں تو ہمیں اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ جس قدر اجرام دنیا میں دکھائی دیتے ہیں اُن میں کسی نہ کسی طرح سے محبت کی کشش ضرور پائی جاتی ہے۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی شاذ نادر ایسی چیز ہوگی جس میں یہ جذبہ نظر نہ آتا ہو ورنہ

ہر ایک چیز میں یہ کشش و جذبہ موجود ہے۔

کہربا کو گھاس سے۔ آہن رُبا کے پتھر کو لوہے سے۔ بلبل کو گُل سے پروانہ کو شمع سے۔ چکور کو چاند سے۔ ماہی کو آب سے۔ نغمہ سرا کو رُباب سے مُنعم کو کباب سے۔ دولت مند کو بستر سنجاب سے۔ اہل علم کو کتاب سے مخلص مُریدوں کو پیر کی جناب سے۔ عاشق حقیقی کو رب الارباب سے خاص دلبستگی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور لاکھوں چیزوں کی میل طبع لاکھوں طرف مبذول ہوتی پائی جاتی ہے۔

علاوہ دیگر چیزوں کے خود حضرتِ انسان کی محبت اس قدر مختلف جانب منقسم ہے کہ جس کی گنتی اور شمار بھی داخل محال ہے۔ مثلاً کوئی تو اجتماع مال کی محبت میں ایسا مصروف ہے کہ اُس کو اپنی جان کی آراستگی اور پیراستگی کی خبر تک نہیں ہے۔ دیکھو بازاروں کے صراف لوگ و تجار۔ کوئی کھیتی اور مزرعت کی محبت میں ایسا مُبتلا ہے کہ آئے دن پیادے اور سپاہیوں کے جوتے کھاتا ہے مگر باز نہیں آسکتا۔

کوئی کسی جانور گھوڑا بیل۔ مُرغ۔ بٹیر۔ تیتر کے شوق میں آٹھوں پہر فکرمند ہے کوئی کسی مہ لقا خوش جبین کی اُلفت میں ایسا از خود رفتہ دکھائی دیتا ہے کہ اُسے کسی یار دوست مولوی بزرگ کی نصیحت کارگر ہوہی نہیں سکتی۔ کوئی دُنیا و مال منال جاہ حشم خیل و خدم کی محبت میں دل دادہ نظر آتا ہے۔ کوئی عیال اطفال کی محبت میں ایسا شیفتہ ہے کہ اُن کی خاطر دن بھر میں لاکھ طرح کے داؤں فریب بددیانتی کر کے مال متاع کو حاصل کر کے پس انداز اور ذخیرہ کر رہا ہے۔

اور ویل لکل ھمزۃ .... الآیۃ کی طرف مطلق توجہ نہیں اور اُس کی طرف خیال تک نہیں رکھتا۔ یہ اور ایسی اور ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ اور یہ بات یاد رہے کہ محبت اور عشق فی الحقیقت ایک ہی شے ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ابتدائی درجہ میں اُس کو محبت بولتے ہیں اور انتہائی درجہ میں وہ عشق کہلاتا ہے۔ جیسے خورد سالی میں لڑکا کہتے ہیں

اور شباب میں جوان۔ الاشئ اور جنس ایک ہی ہے۔

جب ہر ایک چیز میں اُس علیم اور حکیم نے مادۂ محبت و اُلفت ودیعت کر رکھا ہے تو انسان بباعث اشرف المخلوقات ہونے کے ایسے نفیس حصہ میں زیادہ تر مستحق دکھائی دیتا ہے۔ اور جن لوگوں میں مادۂ محبت نسبتاً کم ہوتا ہے اُن کو دانایان روزگار نے کسی شمار میں نہیں رکھا نہ اُنہیں کسی گنتی میں لانے کے قابل خیال کیا ہے

اُن کا بندہ ہوں جو بندے ہیں محبت والے	کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے

اس بناء پر مولانا مولوی جامی رحمۃ اللہ علیہ نے عشق مجازی کی مذمت اختیار نہیں کی اور فرمایا ہے کہ عشق مجازی بھی ایک طرح سے عشق حقیقی کی ابتدائی مشق یا پہلا قاعدہ ہے جس سے انسان کی طبیعت اور عادت محبت کرنے اور اُس کی قدر منزلت کی سمجھنے کی طرف مائل اور راغب ہو کر رفتہ رفتہ وُہ کسی دن عشق حقیقی کی منزل تک بھی گذر کر جاتا ہے۔ اور وہاں کے طیب رائحہ کو بھی اپنے دماغ تک پہنچا کر اُس کی جانفزا خوشبوؤں سے اپنے مشامِ جان کو معطّر کر لیتا ہے۔ چنانچہ مولانا صاحب مرحوم فرماتے ہیں

کہ آں بہر حقیقت کار سازی است	متاب از عشق رُخ گرچہ مجازی است

اور اس کی ایک عمدہ مثال حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت زلیخا کے قصہ سے لی جاسکتی ہے۔ کیونکہ بی بی زلیخا صاحبہ یوسف علیہ السلام کی محبت سے گذرتے گذرتے محبت الٰہی کے ایسے درجہ تک جا پہنچی کہ جس قدر بے تابیاں اور جذبات یوسف علیہ السلام کی محبت میں تھیں وہ سب کے سب عشق الٰہی کیطرف پلٹ پڑے۔ اور عشق الٰہی ایسے طریق سے رگ وریشہ میں جا بسا اور جاگزین ہؤا کہ کئی کئی دن تک آپ کو یوسف علیہ السلام کی جانب سے بیخبری کا عالم رہتا تھا۔ اور آپ ذوق الٰہی میں ایسی مستغرق رہتی تھیں کہ الدنیا ومافیہا سے بے خبر ہو جاتی تھیں۔

قصص میں آیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے ایک روز حضرت زلیخا سے دریافت کیا۔ کہ کس چیز نے میری محبت میں اضطراب اور بیقراری سے تیرے دِل کو صبر و

سکون دیا۔ تب بی بی زلیخا نے جواب دیا کہ جب تک میں بے خبر تھی۔ تب تک تیری محبت میں پریشان حال رہی۔ اب مجھ کو اُس ذات اقدس جل و علےٰ لائق ترین محبت اور مستحق ترین عشق کا پتہ لگ گیا ہے جو کہ میری محبت کا سزاوار ہے۔ پس دل ایک ایسی جگہ ہے جسمیں خلوص سے ایک ہی چیز کی محبت اور عشق سمائی جا سکتی ہے۔ مختلف اشیاء و اجناس کی محبتیں اُس میں قرار نہیں پکڑ سکتیں۔

اور یہ ظاہر ہے کہ جب دِل کسی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اور یہ شہباز جب کسی قفس میں پھنس جاتا ہے تو باقی جملہ اعضاء و جوارح سب کے سب جو حضرت دل کے خیل خدم ہیں اُسیطرف مائل ہو جاتے ہیں۔

یہ رہی قسمت کی بات کہ دِل کسی نفس امر کیطرف راغب ہو۔ یا کسی نکمّی اور گندی طرف مگر اعضاء و جوارح کو تو بے اختیار تتبع کرنی پڑتی ہے اور اُس کی تابعداری سے سرمُو انحراف یا رُوگردانی نہیں کر سکتے ؎

ناصحا بیہودہ میگوئی کہ دِل را منع کُن
من بفرمانِ دلم یا دل بفرمان من است

پس یہ ضرور ہؤا کہ ہم بغیر محبت اور عشق کے دُنیا میں رہ نہیں سکتے اور ہم کو ضروری طور پر خواہ مخواہ دُنیا میں کوئی نہ کوئی سلسلۂ محبت رکھنا پڑتا ہے۔

تو اِنسان جس کو عقل سے حصّہ دے کر زیادہ تر ذمّہ وار قرار دیا گیا ہے اُس کو چاہئیے کہ اپنی عقل اور قوّت امتیزہ سے کام لے اور ایسی چیز کی محبت پیدا کرے جو پائدار اور بے زوال ہو۔ اور ایسے شجر الفت کا بوٹا مزرعت دِل میں لگائے جو کسی بہار کا محتاج نہ ہو نہ کسی صرصر یا سموم سے پژمردہ اور خراب ہو۔ پس جس قدر تفصیل اُوپر ہو چکی ہے۔ اور جن جن اشیاء کی محبت کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اُس کو جب غور اور خوض سے ہم سوچتے ہیں تو کسی چیز کی مُحبت ایسی نظر نہیں آتی جو زوال پذیر نہ ہو۔

مال متاع مُلک ممالکت خیل خدم مزرعت وغیرہ سب کچھ دنوں کے بعد فنا ہونے والے ہیں۔ تو ایسی بے ثبات اور زوال پذیر اشیاء سے محبت پیدا کرنا ہرگز دُور

اندیشی میں داخل نہیں۔ ورنہ ہم کو آئے دن تکلیف کا سامنا رہیگا۔ اور ہم کو روز جُدائی کے صدمے اُٹھانے پڑینگے ؎

گریباں چاکیٔ عشاق از فکرِ فنا باشد	الف در سینۂ گندم ز فکرِ آشنا باشد
توانی سبز شد در حلقۂ آزادگاں حضر	ترا چوں سرو گر در چار موسم یک قبا باشد

اشعار مندرجہ کے مضمون پر غور کرنے سے زوال پذیر اور بے زوال محبت کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔ اور دونوں کی کچھ کیفیت کُھلتی ہے۔ اُس میں گندم اور سرو کا ذکر ہے۔

دانہ گندم صدہا ہمراہیوں کے ہمراہ مُدت تک ایک خوشہ میں صحبت رکھتا ہے۔ کیونکہ خوشہ میں صدہا دانے ہوتے ہیں۔ آخر کار جب خوشہ زمانہ کی رفتار کے موافق خرمن میں لتاڑا جاتا ہے۔ تو خوشہ دانے سے الگ الگ بکھر جاتے ہیں اور اُن کا رشتۂ یگانگی ایسا برہم درہم ہو جاتا ہے کہ پھر اُن کا اجتماع محال میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور ہمیشہ کی جُدائی اختیار کرنی پڑتی ہے جس کے صدمہ سے دانہ گندم کے سینہ میں چاک مہاجرت کا نشان رہتا ہے۔

دُوسرے شعر میں سرو کا ذکر ہے جس کو آزادی سے نسبت ہے۔ ظاہر ہے کہ سرو کا درخت اگرچہ باغ ہی میں لگا ہوا ہوتا ہے تاہم وُہ تمام باغ کے درختوں سے الگ اور دامن کشیدہ رہتا ہے۔ اور ان فانی اور متغیر ہمجلیسوں کی محبت کو دِل میں جگہ نہیں دیتا۔ نہ اُن کی صحبت کی طرف زیادہ جھکتا ہے۔ بلکہ کسی خاص محبت میں دِن رات قیام رکھتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وُہ تمام عُمر ایک ہی رنگ میں رنگا رہتا ہے اور چار موسم ایک خضری قبا زیب تن رکھ کر جملہ درختانِ باغ کی نسبت گردن فراز اور سر بفلک رہتا ہے۔ بہار اور خزاں سے مطلق متاثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اُس کی مزاج کی ان تغیرات کی قبولیت ممتاز ہوتی ہے۔

متلون مزاج اور طبائع مختلف ہواؤں اور موسموں سے متغیر ہوکر سال بھر میں کئی رنگ بدلتی ہیں۔ کبھی لباس فاخرہ کبھی تن عریانی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ سمجھنا چاہئے کہ ہم کو بھی کسی ایسی بے زوال ذات سے رشتہ محبت قائم کرنا

چاہئے - کہ آئے دِن کے تغیرات سے ہماری حالت محفوظ رہے - اور ہمارے وجود اور طبع کا درخت بھی اِن خزانی اور بہاری اور سردی اور گرمی کے موسمی تغیرات زمانہ سے بچا رہے - اور جب ہم کسی ایسی محبت میں دِل کو لگا کر اُس کی تلخی اور سوز میں صابر اور قانع ہو رہیں تو ضرور ہے کہ کوئی معقول نتیجہ مرتب ہو -

ہر کہ چوں تجربہ تلخی گذراند ایام
نے محال است کہ از بند خلاصی یابد
صبر بر سوز دلی تشنہ لبی کن حضرت

ظاہر و باطن او عنبر و گوہر باشد
تا دلش در گرو صحبت شکر باشد
کہ چو دل آب شود چشمۂ کوثر باشد

اور ایسی ہی پاک محبت میں دِل کو یکسو کر کے دیگر تعلقات سے جو سالک کو سدِّ راہ ہوتے ہیں لگاؤ کم کر دیں - اور دُنیائے دُون کے تفکرات اور توہمات سے خیالات کو صاف کر لیں تا کہ پھر کوئی پریشانی صورت نہ دکھاوے ؎

نسازد مضطرب سیلِ حوادث صاحب دِل را
عمارت چوں نشست خود نماند بیخطر باشد
تہی دستی سخن را رنگ دیگر مے دہد حضرت
ندارد نالۂ جاں سوز چوں نے پُر شکر باشد

طبیعت میں یک جہتی اور یکسوئی پیدا کرنے کے قابل محض محبت الٰہی ہے یا وُہ محبتیں جو اللہ کے واسطے ہو کیونکہ یہ محبت بے زوال ہے اور اُس میں تا دمِ مرگ اور بعد از مرگ بھی ترقی اور نمو باقی رہتی ہے -

اور جو شخص اللہ تعالےٰ کی محبت میں لگ رہتا ہے خداوند کریم اُس کی تمام تکالیف اور خطرات کا ذمہ وار ہو جاتا ہے - من جعل الهموم هم واحدا كفى الله همومه ومن جعل الهموم هم كثيرا فلا ابالى باى واد هلك - اور جو کوئی مختلف محبتوں میں لگ رہتا ہے - تو خداوند تعالےٰ بھی پرواہ نہیں کرتا ہے چاہئے جہاں وہ ہلاک ہوتا رہے -

اور مندرجہ عنوان کی آیات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بے وقوف لوگ دیگر اشیائے سے ایسی مضبوط محبت لگا لیتے ہیں جیسا کہ خُدا سے چاہئے - مگر وہ لوگ جو عقل مند عاقبت اندیش مومن ہیں وُہ اس سے بھی زیادہ سخت تر محبت

خداوندِ تعالےٰ کی ذاتِ بابرکات سے رکھتے ہیں۔
نیز آیت شریف مندرجہ عنوان سے یہ پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ بجز ذاتِ خداوندِ کریم جل وعلےٰ کی محبت کے اور جس قدر محبتیں ہیں سب کی سب زوال پذیر تکلیف رساں رنجدہ ذلیل ورسوا کرنے والی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند۔ سورج۔ تاروں کی محبت سے اسی محبت اور بنا پر انکار کیا تھا اور فرمایا تھا کہ یہ تو سب کے سب تغیرات پذیر ہیں۔ خالص اور حقیقی محبت کے واسطے ایسی متغیر اشیا لائق نہیں ہوسکتیں اور فرمایا لا احبّ الاٰ فلین۔ آخرکار نورِ ایمان سے اس لائق ترین محبت حقیقی کے مرکز کو شناخت فرمالیا۔
اور یہ بھی ہم سوچ سکتے ہیں کہ خلوت خانۂ دل میں ایسی جگہ نہیں ہے کہ اُس میں ایک نکمّی اور بیہودہ محبت کو جگہ دیجاوے۔ بلکہ یہ منزل تو اُس ذاتِ پاک کی محبت کے سزاوار نظر آتی ہے۔ جو بے مثل و بے ہمتا ہے۔ اور یہ آئینہ دل اُسی جمال کے پرتو حاصل کرنے کی مناسبت رکھتا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ قلب المؤمن عرش اللّٰہ۔
جب مومن آئینہ دل کو زنگ اور کدورت شہواتِ نفسانی سے اور جذبات حیوانی سے پاک اور صاف کرلیتے ہیں تو اسی میں وہ جلوے دکھائی دیتے ہیں جنکو موسےٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر دیکھا تھا ؎

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار — اِک ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

یہ ہی عشق اور یہ ہی محبت ہے کہ حضرت انسان اس کی بدولت ابدی زندگی حاصل کرسکتا ہے۔ اور اس کے باعث ہمہ تن نور بن سکتا ہے اور مرنے جینے کے تغیرات سے بچ جاتا ہے۔
اِس نور کی قبولیت کے واسطے خداوندِ تعالےٰ نے انسان کے ہی وجود میں ایک قابلیت ودیعت فرمائی ہوئی ہے جو ملائک کو بھی نصیب نہیں ؎

جذبۂ عشق نہ سنجد بملائک ہرگز
این کمندیست کہ در گردنِ انساں باشد

صوفیاء لوگ جو اس نور کے قدردان اور جوہر شناس ہیں اُن کو اکثر دیکھا گیا ہے

کہ وُہ بزرگوں کے مقابر اور مزارات پر بہت سی تکلیف اور خرچ کی زیر باری اُٹھا کر فاتحہ خوانی کو آتے ہیں۔ اور وہاں ایک قسم کا ذائقہ حاصل کرنے کو ضرور جایا کرتے ہیں۔

اِس کی ایک آسان مثال اِس طرح پر ہو سکتی ہے کہ ایک مٹی کے برتن میں جب ہم مُدت تک گلقند رکھتے ہیں۔ اور جبکہ اُس گلقند کی خوشبُو اور رائحہ اُس برتن کے اجرام تک سرایت کر لیتا ہے۔ تو بعد ازاں جب ہم اُس برتن سے گُلقند کو جُدا بھی کر لیں۔ تاہم شہد کی مکھیاں اُس برتن پر آ کر بیٹھتی ہیں اور اپنے مذاق کی خوشبُو وہاں سے پاتی ہیں۔

اِس طرح سے عارف کے دِل کی حقیقت ہے۔ جس میں رُوح کے ساتھ نُورِ وحدت ایک مُدت تک قیام پذیر رہتا ہے تو اُس گوشت پوست اور اُستخوان ہا میں بھی اُس کی خوشبُو سرایت کر جاتی ہے۔ اور رُوح کی پرواز کے بعد بھی صوفیاء لوگ اپنی صفائی مشام کی وجہ سے اُس خوشبو کی مہک اُن کے مزارات پر سے محسوس کر کے اپنے تشنہ دِلوں کو سیراب کرتے ہیں۔

اور یہ ہی وجہ ہے کہ بعد از وفات بھی بزرگان دین کے جو عزت اور محبت طائفہ صوفیاء میں نظر آتی ہے وہ دُوسروں میں کم دکھائی دیتی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ بزرگان دین کا نام معمُولی طور پر زبان پر لے آتے ہیں۔ مگر صوفیاء نہایت ذوق اور خلوص سے اُن کا نام لیتے ہیں۔ اُن کی موت اور زندگی قریباً یکساں خیال کرتے ہیں کیونکہ وُہ خوشبُو اُس کی بوسیدہ استخوانوں میں بھی باقی رہتی ہے ؎

محبت کے رَوَد گر اُستخوانم طوطیا گردد
کہ از سائیدن صندل کجا نقصان رسد بُورا

یہ امر درست ہے کہ زندہ دِلوں کا سونا جاگنا برابر ہے ؎

اہلِ دِل را بہ بدی یاد مکُن بعد از مرگ
خواب و بیداریِ ایں طائفہ یکساں باشد

چنانچہ آنحضرت صلعم بھی فرمایا کرتے تھے کہ میری آنکھ سو جاتی ہے لیکن

میرا دل بدستور بیدار رہتا ہے۔
ایسی بیداری کمال استغراق و محبت الٰہی سے پیدا ہو سکتی ہے کہ ظاہری تغیرات سے اُس میں کسی قسم کی تفاوت پیدا نہ ہو سکے۔ چنانچہ جو محبت قلب عارف میں جاگزین ہو جاتی ہے۔ وہ دیگر حادثات سے متزلزل نہیں ہو سکتی۔ اور وہ تمامہ خوفِ الٰہی اور محبتِ الٰہی میں محو ہو جاتے ہیں۔
اور کیوں نہوں جبکہ اُس حقیقی محبت اور خوف کی وجہ سے پتھر بھی نرم ہو کر اپنے چشمے بہا دیتے ہیں۔ وانّ من الحجارۃ لما یتفجر منه الانھار الخ۔ تو قلب عارف کا کیا حال ہو سکتا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ قلب شقی نہ ہو۔ کیونکہ قلب شقی اِس پاک محبت کو بسبب شقاوتِ ازلی قبول نہیں کر سکتا۔ اور نیز وہ دیگر بیہودہ محبتوں میں مبتلا اور گرفتار رہتا ہے۔ اُس کو اپنی شقاوت اور کم نصیبی اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم رکھتی ہے۔ اور اس پاک محبت کی قدر منزلت اُس کے بیکار دِل و دماغ میں قائم نہیں ہو سکتی۔ اور کیونکر قائم ہو سکے جبکہ وہ ازل سے ہی اِس نعمت سے محروم قرار دئے جا چکے ہیں۔ اور وہ فیضان نبی وقت اور ولی وقت سے بھی بے بہرہ ہوتے ہیں۔

تہی دستانِ قسمت را چہ سُود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے

کہ اُس حقیقی محبت کے پیدا کرنے اور اُس میں کمالیت حاصل کرنے کا کیا آئین اور کیا طریقہ ہے۔ اور مبتدی اس طُول طویل منزل کو کیونکر طے کر سکتا ہے۔ اور کس بھروسہ اور رہنمائی کے اعتماد پر طے منازل ہو سکتا ہے۔ اور اس مرحلہ کے طے کرنے میں شیطانی توہمات اور وسواس سے بچنے اور نفس کی بدراہی اور کجروی سے محفوظ رہنے کے کیا وسائل ہو سکتے ہیں۔ اور کونسی صورت ہو سکتی ہے کہ اس دشت کے وحشی درندوں اور خار دار جھاڑیوں سے دامن بچا کر اور اس خارستان سے گذر کر بوستانِ محبت تک رسائی حاصل کریں۔

اور گُل مراد کی خُوشبُو سے مشامِ دماغ کو معطّر کریں۔ اور اپنے تاریک دلوں میں کثیف روحوں کو لطافت کے درجہ تک پہنچا کر اُس کو ابدی زندگی کا مستحق اور بہرہ مند ٹھہراویں۔

اور یہ ظاہر ہے کہ کسی راستے کا سالک اور کسی منزل کا عازم کبھی اُس سفر اور منزل کا ارادہ نہیں کرتا۔ جب تک کہ وُہ اُس کے گذرنے اور مرُور کرنے کے وسائل مہیّا نہ کر لے اور اُس کے پتہ و نشانات عمدہ سے عمدہ دریافت نہ کر لے۔

معمُولی سے معمولی سفر کے عازم کو بھی بہت کچھ راہ و رسم دریافت کرنا پڑتا ہے۔ کہ کِس جگہ سے کِس جگہ تک کیا سواری ملیگی اور کہاں سے کہاں تک بحری سفر ختم ہوگا اور کتنے روز میں بری سفر طے ہوگا۔ اور کِس کِس جگہ کِن کِن خطرات کا اندیشہ ہے۔ اور کہاں پر کسی جہاز کو طوفان یا گرداب کا اندیشہ ہو سکتا ہے اور کہیں کسی پہاڑی سے ٹکر نیکا جہاز کو خوف تو نہیں اور بری سفر میں کِس جگہ چور اور رہزنوں کا خیال ہو سکتا ہے۔ اور کِس کِس جنگل کے موقعہ پر خُونخوار درندوں کا خوف کرنا چاہیئے۔

اور کِس موقعہ پر ہم کو کوئی رباط یا سرائے دکھائی دیگی جس میں ہم کچھ عرصہ کے واسطے آرام لے سکیں اور وہاں کون ایسا شخص ہوگا کہ جو ہم کو اگلی منازل اور راستوں کے نشیب و فراز سے آگاہ کرے اور اُس کی آسانی سے طے کرنے اور منزلِ مقصُود پر پہُنچنے کی تدابیر بتا دے اور وسائل بہم پہُنچا دیوے تا کہ جِس کی محبت اور دُھن میں ہم جِس سفر کو اختیار کیا چاہتے ہیں اُس کے دیدار و جمال سے منتظر آنکھوں اور مشتاق دِلوں کو سرُور پہنچاویں۔ اور تشنہ جگران بادیۂ محبت ایک ہی پرتوے سے دِل اور جگر کو سیراب کرالیں ؎

دِل سے تیری نگاہ جِگر تک اُتر گئی
دونوں کو اِک ادا میں رضا مند کر گئے

وہ جگہ جگہ ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔

مگر

چونکہ طویل مضمون سے بعض طبائع اُکتا جاتی ہیں بلکہ اُس کے پڑھنے سے ہی اکثر لوگ دل چرا لیتے ہیں۔ اسلئے انشاءاللہ تعالےٰ بشرط زندگی و فرصت کسی دوسرے رسالہ میں اس سوال کا جواب عرض کیا جاویگا۔ کہ اس حقیقی محبت کا کیا آئین و طریقہ ہے۔ اور مشتاق طالب ان منازل کو کن وسائل سے بہ آسانی طے کر سکتے ہیں۔ اور کون لوگ ہیں جن سے اس کی حقیقتیں دریافت ہو سکتی ہیں۔ اور کون ان منازل کے صاحب تجربہ ہو سکتے ہیں۔ فقط باقی پھر۔

راقم احقر ترین عباداللہ بندہ حضرت شاہ ولد حضرت مُلا صاحب تیراہی

نعت شریف

"یہ نعت شریف رونق دہلوی کی تصنیف ہے۔ طوالت کی وجہ سے نعت کے صفحہ پر نہیں آسکتی مگر اس کی عمدگی کی وجہ سے یہاں ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔"

ہے بہار آئی چمن چمن کھلا لالہ نرگس و نسترن
کیا بلبلوں نے وہ پھر وطن ہوئی قمری سرو پہ نغرہ زن
کہ یہ سب نمود گل و سمن ہے ظہور نور شہ زمن

بلغ العلےٰ بکمالہ کشف الدجےٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و آلہ

گئی بدلی باغ کی پھر ہوا ہوئی زیب بخش چمن صبا
اُٹھی ہر طرف سے وہ پھر گھٹا لگی برق کوندنے جابجا
لگی آنے رعد سے پھر صدا کہ یہ سب ہے باعث مصطفےٰ

بلغ العلےٰ بکمالہ کشف الدجےٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و آلہ

دیا صحن باغ میں پھر بچھا وہی فرش سبزہ کا جابجا
گل و غنچوں کے وہ بنا بنا دئیے گاؤ تکیے وہیں لگا

کھنچا شامیانہ پھر ابر کا لگی کہنے بلبل خوش نوا

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجےٰ بجمالہ حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ

ہے فروغ چہرہ سے جلوہ گر کہ کبھی نہیں یہ بشر بشر
کہوں برق طور جو سوچ کر تو ہے نور نور بشر بشر
یہ کمال حسن کا دیکھ کر رہے کیوں نہ مد نظر نظر

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجےٰ بجمالہ حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ

وہ جبیں ہے رشک مہ مبیں ہوئی اس سے شرع مبیں مبیں
وہ ہلال ابروِ شاہِ دیں کہ ہے ماہِ عید مشاہدین
وہ نگاہِ نرگس سرمگیں کریں جس سے اہل یقیں یقیں

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجےٰ بجمالہ حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ

گئے جب زمیں سے سوئے فلک تو وہ نور اس کا جھلک جھلک
تھا نشاط بخش یہاں تلک گیا جام عرش چھلک چھلک
لگے کہنے صل علےٰ ملک ہوا شہرہ ان کا فلک فلک

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجےٰ بجمالہ حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ

ذرا دیکھو تو یہ عروج ہاں گیا یک نظر میں کہاں کہاں
نہ مکاں ہی چھوڑا نہ لامکاں رہا کچھ نہ راز نہاں نہاں
جو نہاں تھا سب وہ ہوا عیاں یہی زمزمہ تھا زباں زباں

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجےٰ بجمالہ حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ

شہ نامور شہ خوش سیر وہ ہی لب شکر وہ ہی سیم بر
جو بیک نظر گیا چرخ پر ملک و بشر فلک و قمر
گرے قدموں پر ہوئے بہرہ ور کہا ہم گر یہی دیکھ کر

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجےٰ بجمالہ حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ

ہے یہ عرض رونق کمترین بحضور سید مرسلیں
میری عفو ہووے خطا کہیں کہ ہیں آپ شافع مذنبیں
ہوں فدائے سعدیٔ خوش یقیں کہی کیسی نعت ہے دلنشیں

بلغ العلےٰ بکمالہ کشف الدجےٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ

مژدۂ جانفزا

ہم رسالہ نمبر ۶ میں اطلاع دے چکے ہیں اور احباب کی خدمت میں یہ خوشخبری پہنچا چکے ہیں۔ کہ حضرت محبوب الٰہی سیدنا و مولانا سید حاجی جماعت علیشاہ صاحب دامت برکاتہم کے دو صاحبزادگان جناب صاحبزادہ مولوی حافظ محمد حسین صاحب و صاحبزادہ حافظ خادم حسین صاحب کی شادی بتاریخ ۲۸ صفر ۱۳۲۳ھ مطابق ۲۳ بیساکھ۔ یا ۴ مئی ۱۹۰۵ء قرار پائی ہے۔ اس مبارک تقریب پر ملک کے اطراف و جوانب سے حضرات علمائے نامدار و مشائخ کبار تشریف فرما کر شامل جلسہ ہونگے۔ ہم حسب الارشاد حضرت اقدس روحی فداہ جمیع اہل اسلام کو عموماً اور یارانِ طریقت کو خصوصاً عام دعوت دیتے ہیں کہ اس تقریب پر علیپور میں تشریف لا کر شامل جلسہ ہوں۔ ایسی ایسی مجلسیں ہر روز نہیں ملتیں۔ یارانِ طریقت کی ملاقاتیں۔ اپنے شیخ کی صحبتیں۔ بڑے بڑے علماء اور صلحاء کی زیارتیں حسن اتفاق سے میسر ہوتی ہیں۔ اسموقعہ کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اور اس سعادت کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے۔ ایڈیٹر

نوٹ

بعض بعض احباب کی طرف سے شکایت نامے موصول ہوئے ہیں کہ رسالہ اُن کی خدمت میں نہیں پہنچتا۔ حالانکہ دفتر رسالہ انوار الصوفیہ سے بڑی احتیاط کے ساتھ رسالے روانہ کئے جاتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ نہ پہنچنے کی کیا وجہ ہے۔ آئندہ جن صاحبوں کے پاس رسالہ نہ پہنچے برائے مہربانی دفتر میں اطلاع دیدیا کریں رسالہ اُنکی خدمت میں روانہ کر دیا جایا کریگا۔

اخبار

ہم افسوس سے بیان کرتے ہیں کہ اس سال انجمن خدام الصوفیہ کے سالانہ جلسہ پر جناب مکرم و معظم حافظ انور علیصاحب جج پنشنر رہتکی بباعث علالت طبع تشریف نہ لاسکے۔ خداوند تعالے اُن کو صحت کاملہ عطا فرماوے۔ واقعی جناب حافظ صاحب کا دم غنیمت ہے۔

جو صاحب اس سال جلسہ میں شامل نہیں ہوسکے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ جلسہ شادی پر ضرور علی پور میں شامل جلسۂ شادی ہونگے۔ کیونکہ یہ تلافی مافات کا ایک نہایت عمدہ موقع ہے۔

۴۔ اپریل کی صبح کو قریباً ۶ بجے یہاں لاہور میں ہیبت ناک زلزلہ آیا۔ جس کے صدمہ سے لاہور کا شائد ہی کوئی مکان محفوظ رہا ہوگا۔ بلکہ مکانات کے گرجانے سے بہت سی جانوں کا نقصان ہُوا۔ شامت اعمالِ ما صورت نادر گرفت۔

حضرت قبلۂ عالم شاہ صاحب علیپوری آجکل گھر ہی میں رونق افروز ہیں۔ ۱۵ شادی تک وہاں ہی تشریف فرما رہینگے۔ جس صاحب کو آپ سے خط و کتابت کرنی ہو وہ علیپور شریف کے پتہ پر کریں۔

رسید زر

نام	رقم
جناب مولوی محمد نصیر الدّین صاحب سکنہ چاچڑ ضلع شاہپور	سے/
جناب سردار لونہال سنگھ صاحب سکنہ رام راؤنی ڈاکخانہ سرائے امانت خاں ضلع امرتسر	عہ/
جناب یار محمد خاں صاحب سلوتری کانپوری چھاؤنی سیالکوٹ رسالہ نمبر ۱۵	عہ عہ/
جناب میاں امام الدّین جیصاحب محلہ میانہ پورہ۔ شہر سیالکوٹ	عہ عہ/
جناب میاں امام الدین صاحب رنگریز سرگودہا۔ نہر جہلم	عہ عہ/
جناب حکیم ڈاکٹر عبد الرحمان صاحب صدّیقی مڈیکل پریکٹیشنر مراری آئی	عہ عہ/
جناب بابو بشیر علیصاحب کلارک ڈاکخانہ آدم شاہ۔ سکھر	عہ عہ/
جناب خواجہ حافظ احمد اللہ صاحب کوٹھی دار سوداگر امرتسر کٹرہ اہلووالیہ	عہ/
جناب میاں امام الدین صاحب سلوتری شہر سیالکوٹ	عہ/
جناب شیخ حسین بخش صاحب سوداگر چھاؤنی شہر سیالکوٹ	سو/
جناب مولوی محمد کرم الٰہی صاحب بی اے وکیل سیالکوٹ	سو/
جناب خان غلام نبی خاں صاحب بی ڈی میانہ پور۔ شہر سیالکوٹ	سو/
جناب مولوی تاج الدّین صاحب میانہ پورہ۔ سیالکوٹ	عہ/
جناب شیخ محمد ابراہیم صاحب وکیل بیکانیر	صہ/
جناب سیٹھ نذیر علیصاحب وکیل سورت گڑھ۔ (بیکانیر)	عہ/
جناب حکیم عین الدین صاحب بیکانیر	عہ/
جناب مرزا محمد اشرف خاں صاحب گورگانی ناظم خانپور ریاست بہاولپور	عہ عہ/
جناب منشی امام الدّین صاحب سارجنٹ پولیس تھانہ ٹھیری ضلع کوہاٹ	عہ/
جناب مستری احمد الدین صاحب سلیچ میانہ پورہ سیالکوٹ	عہ عہ/
جناب مرزا دلی داد خاں صاحب نائب تحصیلدار صاحب بھمبیر	عہ/
جناب حکیم فتح علی خاں صاحب ڈپٹی انسپکٹر بھمبیر	عہ عہ/
جناب بابو غلام حسن صاحب ریلوے سٹور کیپر۔ نزیر آباد	عہ عہ/
	عہ/

باقی آئندہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

التماس

رسالہ انوار الصوفیہ جس کے انوار آفتاب کی طرح درخشاں ہیں جس کے مضامین علم سلوک اور تصوف کے روح رواں ہیں اسلام کا لب لباب اور بوستان دین کا گل انتخاب کہنا اِسے زیبا ہے۔ اللہ اللہ کیسے اسرار روحانیت کے گلہائے رعنا اس میں شگفتہ ہو رہے ہیں۔ قلب مومن اگر عرش ہے تو اس رسالہ کا ایک ایک نقطہ اُس عرش کی قندیل ہے یعنی مومنوں کے قلب اُس کے انوار فیض سے منور ہونگے یہ رسالہ نہیں ہے ایک گلدستہ ہے جس میں گلشن سجاد کے نادر پھول سجا کر اصحاب ذوق کے پیش کیے گئے ہیں۔ یہ اور رسالوں کی طرح ایکبار مطالعہ کے بعد تقویم پارینہ سمجھا جاکر ردی میں پھینکا جانیکے لائق نہیں ہے اِس کو دیکھیے۔ پھر دیکھیے۔ بار بار دیکھیے بلکہ اِسقدر دیکھیے کہ محو تماشا ہو جائیے۔ یہ شاہد معنی ہر بار نئے لباس میں جلوہ گری کریگا۔ اور نئی ادا سے صورت دکھاویگا۔ نظر باز آنکھ اور قدر دان دل کا ہونا شرط ہے۔ اِس کی بیقدری محرومیت کی دلیل ہے آئیے اس عزیز کا خیر مقدم کیجئے اور اس کو آنکھوں کی راہ سے دل میں اور دل سے پردۂ جان میں اُتارئیے اور اسکی ہر بار نئی ادا کو ملاحظہ فرمائیے۔ اور اس شعر کو بار بار اسکے حضور میں پڑھئے ؎

ہر دم چمنِ خود را رنگِ دگر آرائی شورے دگر انگیزی فتنے دگر افزائی

مگر حد ادب نگاہ رہے۔

راقم ایڈیٹر